اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۳، مسلسل شمارہ: ۳۶۵، سال ۲۰۲۲ء

# عورت کی تعلیم اور آزادی

## اردو اور عربی کے مشترک ادبی و فکری ورثے کا مطالعہ

امتیاز احمد، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر عربی
شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

# WOMAN'S EDUCATION AND EMANICIPATION:
## COMMONALITIES BETWEEN URDU AND ARABIC

Imtiaz Ahmad, PhD
Assistant Professor of Arabic
GC University, Lahore

**Abstract**

Feminism is a common topic of modern world literature. Its traces can also be found in modern day Arabic literature starting with Jamaluddin Afghani, Qasim Amin. Najla Izzudin is another contemporary Arabic writer who has penned on the same. Like any other literature, many writers of Urdu have written on the rights of woman folk. Prominent among them are: Syed Mumtaz Ali, Abdul Haleem Sharar, Deputy Nazir Ahmad, Altaf Husain Hali, Kishwar Naheed etc. The article explores commonalities in writings on Feminism by famous authors of Urdu and Arabic.

**Keywords:**
Feminism, World literature, Arabic, Urdu, Jamaluddin Afghani, Qasmin Amin, Najla Izzudin, Deputy Nazir, Abdul Haleem Sharar, Altaf Husain Hali

انیسویں صدی میں مشرق میں جہاں استعماری طاقتوں سے آزادی کی جدوجہد کا آغاز ہوا وہیں ادبی، فکری اور عملی سطح پر ایک ایسی تحریک نے جنم لیا جس کا مقصد عورت کی کم تر حیثیت اور اس پر صدیوں سے جاری ظلم و جبر کا خاتمہ تھا۔ عربی ادیبہ نجلا ابو عزالدین (۱۹۰۸۔۲۰۰۸ء)(۱) نے بھی اس حوالے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے خیالات کا اظہار ۱۹۵۳ء میں چھپنے والی اپنی کتاب "The Arab World: Past, Present & Future" میں کیا۔ اس کا ترجمہ محمود حسین (۱۹۰۷۔۱۹۷۵ء) نے **عرب دنیا** سے عنوان سے کیا۔ نجلا عزالدین نے تحریک نسواں پر ایک مضمون "المراۃ العربیۃ" بھی لکھا جو نہایت پر مغز اور مستند حوالوں کا حامل ہے۔

نجلا عزالدین نے آغاز میں عالم مغرب کے اس خیال کو ہدف تنقید بنایا ہے جو خانہ نشینی اور نقاب کو عرب اور مسلمان عورت کے لیے لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ حال آں کہ اس رواج کے دوش بہ دوش آزادی کی ایک طویل روایت بھی تھی جو اچھی طرح جڑ پکڑے ہوئے تھی۔ صحرائی حیات میں مرد عورت کا احترام کرتا تھا، وہ بہادرانہ، شریفانہ اعمال کے ذریعے عورت کی عنایت و حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ مردوں کے کھیلوں کے مقابلوں اور شاعرانہ تہواروں میں صدارت کا فرض انجام دیتی اور اس کے فیصلے بجا طور پر عمل میں لائے جاتے۔ صحرائی دستور جواں مردی کے مطابق کسی عورت کے خیمے میں پناہ گزیں دشمن کی بھی پورا قبیلہ مل کر حفاظت کرتا تھا۔(۲) شادی کے معاملے میں ان کو پوری آزادی میسر تھی اور اپنا شوہر اپنی مرضی سے پسند کرنے کا اختیار انھیں حاصل تھا۔

اس کے علاوہ عورت شاعری پسند گروہوں کی تعریف و توصیف کی بھی حق دار قرار پاتی۔ عبدالحلیم ندوی (پ: ۱۹۲۶ء) نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے کہ عربی ادب میں جانِ غزل، شانِ غزل اور مرکزِ غزل ہمیشہ سے عورت رہی ہے۔ یہ اس لیے کہ بدوی شاعر کے نزدیک "عورت زمین پر چلنے والی ہر شے سے زیادہ مکمل اور جاذب نظر ہے"۔ نیز اعشیٰ (۵۷۰۔۶۲۵ء) نے عورت کو مسیحا بتایا ہے۔ کہتا ہے:

لو اسندت میتاً الی نحرها　　　　عاش ولم ینقل إلی قابر

52

یعنی اگر اس کی گردن سے کسی مردے کو بھی سہارا دو، وہ زندہ ہو جائے گا اور پھر اسے قبرستان لے جانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

حتی یقول الناس مما راوا      یا عجبا للمیت الناشر

یعنی لوگ فرطِ حیرت میں بول پڑیں گے کہ دیکھو تو کتنی تعجب کی بات ہے کہ مردہ زندہ ہو گیا۔(۳)

نجلا عزالدین نے اعتراف کیا ہے کہ اسلام کی آمد کے بعد اس کی تہذیب کو جو عالم گیر عروج ملا، اس سے عرب عورت کی وقعت میں اضافہ ہوا اور دنیا کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر زیادہ واضح اور وسیع ہوا۔ اسلام نے عورت کو ایک مستقل ہستی تسلیم کیا۔ اسے کامل قانونی شخصیت مانا اور اس کی معاشی آزادی کا تحفظ بھی کیا۔ یہاں تک کہ عورت کو مذہب کے انتخاب کرنے کی آزادی بھی حاصل تھی۔ عورتیں مردوں کے ساتھ پبلک تقریبات میں بھی شریک ہوا کرتی تھیں۔ ڈٹ کر اپنے حقوق کی حفاظت کرتی تھیں۔ نسوانی آزادی پر پابندیاں بعد کے عہد میں لگیں جب عربوں اور مسلمانوں کے ابتدائی معاشرے پر غیر ملکی معاشرتی و معاشی اثرات مرتب ہوئے۔ پہلی صدی اسلامی کی شاعری عورت کے ساتھ رومانی احترام کا سلوک کرتی ہے اور اس کی تعریف نہایت باوقار انداز میں پیش کرتی ہے۔ عربوں کی فتوحات، دولت، طاقت اور عالمی اقتدار کے پہلو بہ پہلو ایک برائی بھی لائی کہ جیسے جیسے معاشرہ متمول اور خوش حال ہوا مرد اور عورت ایک دوسرے سے الگ ہوتے گئے۔ تمول نے عورت کو افادیت کی زندگی سے خارج کر دیا۔ وہ قابل قدر ہستی سے زیادہ سجاوٹ کی چیز بن گئی۔(۴)

نجلا عزالدین نے قرونِ اولیٰ کی ان خواتین کا تعارف بھی کرایا ہے جن کو وقیع علمی شہرت حاصل ہوئی یہاں تک کہ ان سے مرد بھی سند اور اجازت حاصل کرتے تھے۔ انھوں نے روحانی زندگی میں بلند ترین مراتب پر فائز ہونے والی خواتین مثلاً رابعہ العدویہ (۷۱۸-۸۰۱ء) کا بھی ذکر کیا ہے جنھیں صوفی مصنفین نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور متصوفانہ زندگی سے متعلق ان کے اقوال کو مستند حیثیت سے نقل کرتے ہیں۔ مزید برآں ان خواتین کے کردار پر سرسری نظر ڈالی ہے جو فرماں روا تو نہ بن سکیں تاہم پسِ اقتدار بھی معتدبہ طاقت کی مالک تھیں۔(۵)

نجلاعزالدین نے جمال الدین افغانی (۱۸۳۸ـ۱۸۹۷ء) کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جو اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ عورت کو بھی مرد ہی کی سی ذہنی ساخت عطا ہوئی ہے لیکن وہ عدم تربیت کی وجہ سے پیچھے رہ گئی ہے۔ افغانی کے ایک نام ور شاگرد محمد عبدہ (۱۸۴۹ـ۱۹۰۵ء) عورت کو تعلیم دینے اور معاشرتی حیاتِ نو کے منصوبے میں ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت سے اس کی حالت بہتر بنانے کے قائل تھے۔(۶)

اسی دورانیے میں برصغیر میں بھی ایسی شخصیات کا ظہور ہوا جنھوں نے عورتوں کی تعلیم کے فروغ میں فعال کردار ادا کیا۔ ان میں سید ممتاز علی (۱۸۶۰ـ۱۹۳۵ء) کا نام بنیاد گزاروں میں آتا ہے۔ انھوں نے اپنی اہلیہ کے تعاون سے خواتین کی اصلاح وراہ نمائی کی غرض سے **تہذیبِ نسواں** کے نام سے ایک رسالے کا اجرا بھی کیا جو پچاس سال تک شائع ہوتا رہا۔ سید ممتاز علی نے جمال الدین افغانی ہی کے فکری موقف کو پیش کیا کہ مرد اور عورت برابر ہیں، جسمانی قوت برتری کا ایک نہایت معمولی معیار ہے، ذہانت اور دیگر خصوصیات کے اعتبار سے عورت مرد کی ہم پلہ ہے۔(۷)

نجلاعز الدین نے خواتین کے حقوق کے معروف مصری علم بردار قاسم امین (۱۸۶۳ـ۱۹۰۸ء) کے متعلق بھی تفصیلاً لکھا ہے جس نے خواتین کے حقوق ومسائل کو اپنی ادبی اور فکری صلاحیتوں کا محور بنایا ہوا تھا۔ اس کا ثبوت اس کی دو اہم تصانیف **حریة المراة** اور **المراة الجدیدة** ہیں۔ ان کتابوں میں عورت کے مقام ومرتبے کو واضح کیا اور اس کی دگرگوں حالت کے اسباب کا نہ صرف تجزیہ کیا بل کہ اس کا مداوا بھی تجویز کیا۔ معاشرتی خرابیوں کا سبب ظلم وتعدی قرار دیا جو اپنی تمام شکلوں میں ان تمام خرابیوں کی ذمہ دار ہے۔ مرد کا ظلم عورت کی ناگفتہ بہ حالت کا ذمہ دار ہے۔ مرد نے اپنے تحکم اور خود پسندی کی وجہ سے عورت کی شخصیت کو کچل ڈالا ہے۔

قاسم امین کو لطفی السید (۱۸۷۲ـ۱۹۶۳ء) کی شکل میں ایک ہم خیال دوست مل گیا جس نے اس کے لیے اپنے اخبار **الجزیرہ** کے صفحات وقف کر دیے۔ چناں چہ قاسم امین نے اس اخبار میں خواتین کے مسائل کے ساتھ عوامی اور دیگر معاشرتی مسائل پر پوری آزادی کے ساتھ اپنے نظریات کا پرچار کیا۔ قاسم امین نے جو کچھ کہا اس کے نتیجے میں اسے غیض وغضب کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ قاسم امین نے اپنے

زمانے میں یہ اچھوتا خیال پیش کیا کہ عورت کو خود اپنے لیے تعلیم یافتہ ہونا چاہئے، تاکہ وہ اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکے اور پوری طرح نشوونما پائے اور آزاد فرد کی حیثیت سے معاشرے میں کردار ادا کرے۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ عورت کو اپنا معاش خود پیدا کرنے کی تربیت دی جائے تاکہ وہ مرد رشتے داروں کی دست نگر نہ رہے۔(۸)

قاسم امین نے المراۃ الجدیدۃ میں مشرقی مرد کی عورت پر معاشرتی و معاشی بالادستی کے افسوس ناک نتیجے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ مشرق میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ عورت، مرد کی غلام ہے۔ مسلمان عورت کو اپنی ضروریات کے لیے کمانے کی آزادی نہ ملنے کی وجہ سے اس کے حقوق ضائع ہو جاتے ہیں۔ مرد ہر حق پر قبضہ جماتا ہے اور عورت کو ایک حیوان لطیف کی نظر سے دیکھتا ہے جس کے لوازم حیات پورے کر دینے کافی ہوتے ہیں تاکہ اس سے تسکین حاصل کی جا سکے۔

معروف استاد اور مفکر پروفیسر عبدالقیوم (۱۹۰۹ـ۱۹۸۹ء) نے قاسم امین کی اس رائے کو نقل کیا ہے کہ محض پڑھنا لکھنا سیکھ لینے اور اجنبی زبانیں جان لینے سے عورت کی عقلی تربیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ عورت علم طبیعیات، علم تاریخ اور علم الاجتماع سے بھی بہرہ ور ہو۔ مزید برآں جب عورت عقلی تربیت میں پختہ کار ہو جائے تو پھر اسے فکر و عمل کی پوری آزادی دینی چاہیے۔(۹)

نجلا عزالدین نے قاسم امین کی متاثر کن فکر کا حوالہ دیا ہے جس کی رو سے عورت، انسانیت کا دل ہے۔ یہ درست ہو جائے تو ساری انسانیت درست ہو جاتی ہے۔ مہذب و شائستہ اور تعلیم یافتہ عورت ہی ملت کی بیداری اور تبدیلی میں ممد و معاون ہو سکتی ہے۔(۱۰)

فاضل مصنفہ نے انیسویں صدی کے دو ممتاز عرب شاعروں معروف رصافی (۱۸۷۵ـ۱۹۴۵ء) اور زہاوی (۱۸۶۳ـ۱۹۳۶ء) کے افکار کو بھی پیش کیا ہے جنھوں نے عورتوں پر عائد کردہ پابندیوں کی بھرپور مذمت کی، عورت کی تعلیم پر زور دیا اور مشرقی عوام کی محکومیت کا ذمہ دار اس تربیت کو قرار دیا جو تعلیم و تہذیب سے محروم عورتوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ رصافی نے عورت کی تعلیم کی اہمیت کو اپنے ان اشعار میں اجاگر کیا ہے:

هل يعلم الشرقي ان حياته
تعلو اذا ربى البنات و هذّبا
فالشرق ليس بناهض الا اذا
أدنى النساء من العلوم و قربا
من اين ينهض قائما من نصفه
يشكو السقام بفالج متوصّبا

ترجمہ: کیا مشرقی انسان اس بات کو جانتا ہے کہ اس کی زندگی، اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب وہ لڑکیوں کو تربیت دے اور ان کو ادب سکھائے۔ مشرق صرف اسی وقت سربلند ہو سکتا ہے جب عورتیں علوم آشنا ہو جائیں۔ مشرق کیسے ترقی کر سکتا ہے جب اس کا نصف حصہ بیمار اور فالج کا شکوہ سنج ہو۔(۱۱)

برصغیر میں عبدالحلیم شرر (۱۸۶۰ـ۱۹۲۶ء) نے مسلمان عورتوں کی حالت زار بارے بہت سے ناول اردو میں لکھے۔ لکھنؤ کی زوال آمادہ تہذیب میں سانس لینے والی عورت کا نقشہ کھینچا۔ وہ رسم ورواج کے سخت مخالف تھے۔ پردے کو ایک مہذب لباس کا نام دیتے تھے لیکن وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ پردے کے نام پر عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا جائے۔ اپنے اس خیال کے پرچار کے لیے رسالہ "پردہ غفلت" جاری کیا۔ لوگوں نے اس رسالے کے حوالے سے سخت بے زاری کا اظہار کیا۔(۱۲)

نجلاءعزالدین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عالم عرب میں آزادی نسواں کی تحریک کی قیادت مردوں نے اپنے ذمے لی تھی تاہم انھوں نے ایسی خواتین کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں عورتوں کے مسائل اور معاملات پر مؤثر انداز سے لکھنا شروع کیا۔ ان میں پہلا نام حفنی ناصف (۱۸۸۶ـ۱۹۱۸ء) کا آتا ہے جو عربی ادب میں باحثۃ البادیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے مطابق عورت کی زندگی سطحی باتوں اور فضول خرچی کے لیے وقف ہو گئی تھی۔ وہ خود اپنے اوپر اعتماد نہ رکھنے کی وجہ سے اپنے شوہر اور رشتہ داروں پر بھی کوئی بھروسا نہ رکھتی تھی۔ مرد اپنی جگہ عورت کی عزت کم کرتے تھے۔ اس نے مردوں کو مشورہ دیا کہ عورتوں، گھروں اور قوم میں نئی زندگی اسی وقت پیدا ہو گی جب وہ خود اپنی اصلاح شروع کریں گے۔(۱۳)

باحثۃ البادیہ کے مقالات **النسائیات** کے نام سے چھپ چکے ہیں جب کہ دوسری کتاب **حقوق النساء** کی تکمیل سے قبل اس کا انتقال ہو گیا۔ حقوق نسواں پر اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

أ یسرکم ان تستمر بناتکم
رھن الإسار و رھن جھل مطبق
لا تتقی الفتیات کشف وجوھھا
لکن فساد الطبع منکم تتقی
فدعوا النساء و شانھن فانما
یدری الخلاص من الشقاوۃ من شقی

ترجمہ: کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تمھاری بیٹیاں تسمے میں بندھی رہیں اور تہ در تہ جہالت کی پابند رہیں۔ جوان لڑکیاں اپنے چہرے کھولنے سے نہیں بچتیں بل کہ وہ تمھاری طبیعت کے فساد سے بچتیں ہیں۔ تم عورتوں اور ان کے معاملے کو چھوڑ دو کیوں کہ ایک بدنصیب بدنصیبی سے رہائی کا راستہ جانتا ہے۔(۱۴)

باحثۃ البادیہ کی نظر میں تعلیم کو ہر قسم کی معاشرتی اصلاح کے منصوبے میں سنگ بنیاد کا درجہ حاصل ہے۔ لڑکیوں کو آزادی ہونی چاہیے کہ وہ تعلیم پوری کر سکیں۔ تعلیم کے مواقع میں عورت کو ترجیح دینی چاہیے اس لیے کہ وہ مردوں کی نسبت زیادہ ان پڑھ ہے۔ صرف اس صورت میں عورت آزاد ہو سکتی ہے، اس کے بچوں کی تربیت آزادی کی فضا میں کر سکتی ہے۔(۱۵)

عورت کا مقام اور اس کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں مصری شاعر محمد حافظ ابراہیم (۱۸۷۱ـ۱۹۳۲ء) کی فکر کا حوالہ ناگزیر ہے۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

من لی بتربیہ النساء فانھا
في الشرق علۃ ذلك الاخفاق
الام مدرسۃ اذا اعددتھا
اعددت شعبا طیب الاعراق
انا لا اقول دعوا النساء سوافرا

بین الرجال یجلن فی الاسواق
کلا و لا ادعوکم ان تسرفوا
في الحجب والتضییق والارھاق
فتوسطوا فی الحالتین و انصفوا
فالشر فی التقیید و الاطلاق
ربوا البنات علی الفضیلۃ انھا
في الموقفین لھن خیر وثاق

ترجمہ: کون ہے جو عورتوں کی تربیت کرے؟ وہ تو مشرق میں بے چینی کا سبب ہیں۔ ماں ایک مدرسہ ہے۔ جب تو اس کو تیار کرے گا تو پاک رگوں والے انسانوں کو تیار کرے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں کو مردوں کے درمیان چلتا پھرتا چھوڑ دو کہ بازاروں میں گھومتی رہیں۔ ہر گز نہیں، میں تمھیں اس لیے نہیں پکار رہا کہ تم پردہ یا تکلیف دینے میں حد سے بڑھ جاؤ بلکہ دونوں حالتوں میں اعتدال اختیار کرو اور انصاف سے کام لو۔ کیوں کہ (نری) قید اور (نری) آزادی دونوں برائی ہیں۔ بڑی خوبی سے لڑکیوں کی تربیت کرو کیوں کہ دونوں حالتوں میں ان کے لیے بہترین بندھن موجود ہے۔(۱۶)



اردو ناول نگاری میں ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۶۔۱۹۱۲ء) کا نام اساسی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے غیر تعلیم یافتہ خواتین کے رویے پر تنقید کی جو رسومات کی پابند ہیں، اور اس بات کا پرچار کیا کہ خواتین کی اخلاقی تربیت کی غرض سے انھیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناول **فسانہ مبتلا** میں متعدد شادیوں کے موضوع پر قلم اٹھایا اور اس بات کی وضاحت کی کہ دوسری شادی مرد وزن دونوں کے لیے کتنے مسائل کو جنم دیتی ہے، اور اسلام نے چار شادیوں کی اجازت مخصوص حالات میں دی ہے۔(۱۷)

برصغیر کی جن ممتاز شخصیات نے تحریک نسواں کے لیے مساعی جمیلہ سرانجام دیں ان میں مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷۔۱۹۱۴ء) کا ذکر کرنا گزیر ہے۔ حالی نے ۱۸۹۴ء میں ایک اہم کتاب عورتوں سے متعلق لکھی جس کا عنوان **مجالس النساء** ہے۔ ان مجالس میں (دوسری تا پانچویں) زبیدہ خاتون کو ایک مثالی اور تعلیم یافتہ گھریلو خاتون کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ زبیدہ خاتون کی زبانی حالی نے بیوہ

کی دوسری شادی کی حوصلہ شکنی سے متعلق مسلم معاشرہ کے رویے پر تنقید کی۔(۱۸) چوں کہ اس زمانے میں عورت کا لکھنا پڑھنا معیوب سمجھا جاتا تھا، ان کے لیے نہ تو کتابیں تصنیف کی جاتی تھیں اور نہ ہی ان کے لیے اسکولوں اور مدرسوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے، اگر کچھ کتابیں پڑھنے کے لیے تھیں بھی تو ان کا شمار نہ ہونے کے برابر تھا کیوں کہ مذہبی کتابوں اور داستانوں کے سوا کچھ نہ تھا جن سے اس زمانے کی عورتیں تعلیم پا سکتیں لہٰذا حالی نے **مجالس النساء** لکھ کر اپنے زمانے کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔(۱۹)

عالم عرب میں تحریک نسواں کی دوسری علم بردار 'می زیادہ' (۱۸۸۶۔۱۹۴۱ء) ہے جو عربی کے علاوہ کئی یورپی زبانوں کی ماہر تھی۔ اس نے اپنی تحریروں کے ذریعے ادبی و معاشرتی دونوں شعبوں کی تجدید کی جدوجہد کی۔ عورتوں کے مسائل حل کرنے کی خاطر تحریک نسواں میں بھرپور شرکت کی۔ 'می زیادہ' کے علاوہ وردہ یازجی (۱۸۳۸۔۱۹۲۴ء)، عائشہ تیموریہ (۱۸۴۰۔۱۹۰۲ء) نے بھی اپنی شاعرانہ صلاحیت سے کام لے کر اصلاح معاشرہ میں فقید المثال کردار ادا کیا۔(۲۰)

یہ دل چسپ امر ہے کہ برصغیر میں مسلم خواتین کا ایک گروہ بیسویں صدی کی ابتدا میں وجود میں آچکا تھا جنھوں نے خواتین میں بیداری، آزادی اور اصلاح کی ایک لہر دوڑا دی۔ انھی میں ریاست بھوپال کی ملکہ سلطان جہاں بیگم (۱۸۳۸۔۱۹۰۱ء) بھی ہیں۔ جس طرح سر سید (۱۸۱۷۔۱۸۹۸ء) نے مردوں کی تعلیم کے لیے تحریک چلائی اسی طرح سلطان جہاں بیگم نے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے تحریر و تقریر اور مالی امداد کے سبھی ذرائع بروئے کار لا کر گراں قدر خدمات انجام دیں۔ انھوں نے مسلمان اور ہندو لڑکیوں کے لیے بھوپال میں دو الگ الگ سکول قائم کیے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹری، طبِ یونانی کی تعلیم کے لیے مدرسہ آصفیہ قائم کیا۔ انھوں نے تقریباً ۲۳ کتابیں بھی تصنیف کیں۔ محمڈن لیڈیز ہال لاہور میں ۱۰ مارچ ۱۹۱۳ء میں ایک بصیرت افروز تقریر میں کہا کہ خواتین قوموں کے جسم میں روح کی مانند ہوتی ہیں۔ کوئی قوم دنیا میں متمدن اور کام یاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس قوم کی عورتوں میں تعلیم و تہذیب نہ ہو۔ بد قسمتی سے مسلمانوں نے اس اصول کو عرصہ دراز سے فراموش کر دیا۔ تاہم تلافی مافات کے لیے اب بھی وقت ہے۔ قریباً ہر جگہ اور ہر طبقے میں تعلیمِ نسواں کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے۔

لیکن ہمارا حامی تعلیم گروہ عورتوں کی تعلیم میں ابھی تک پورے طور کوشش وایثار سے کام نہیں لیتا اس لیے ترقی کی رفتار بے انتہا سست ہے۔(۲۱)

پہلی عالمی جنگ کے بعد بلاد عرب میں عورتوں کی ایک منظم تحریک وجود میں آگئی تھی۔ قومی آزادی کی جدوجہد نے عورتوں کو اس کا موقع دیا کہ وہ اپنے گھروں سے نکل آئیں اور قومی معاملات میں حصہ لیں۔۱۹۱۹ء کے مصری انقلاب میں خواتین سب سے پہلی مرتبہ بڑے جلوسوں کی شکل میں سڑکوں پر نمودار ہوئیں۔ سعد زغلول(۱۸۵۹۔۱۹۲۵ء) نے مصری انقلاب میں قائد کا کردار ادا کیا لیکن یہ انقلاب اس وقت کام یابی سے ہم کنار ہوا جب ان کی رفیقہ حیات اس کا ساتھ دینے کے لیے کھڑی ہوئیں۔ جب برطانیہ کے ساتھ تنازعہ شروع ہوا تو سعد نے اپنی بیوی صفیہ سے کہا: "میں نے اپنا سر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا ہے"۔ صفیہ نے فوراً جواب دیا: "تو اپنے دوسرے ہاتھ پر میرا سر بھی رکھ لو"۔ صفیہ کو مصری قوم ''ام المصریین'' کے لقب سے یاد کرتی ہے جس نے اپنے شوہر کی جلاوطنی کی صعوبت برداشت کی اور اپنا گھر قومی اموراور جلسوں کے لیے کھلا رکھا۔ شوہر کی وفات کے بعد بھی مصر کی سیاسی زندگی میں مرکزی اہمیت کی حامل رہی۔(۲۲)

عرب ملکوں میں عورتوں سے متعلق طور طریقے اور حالات ناگہانی طور پر نہیں بدلے بل کہ یہ تبدیلی بہ تدریج ہوئی۔ عورتوں نے مدرسوں، کالجوں، شفاخانوں، دفتروں اور جلسوں کا رخ کرنا شروع کیا۔ چناں چہ عرب ملکوں میں عورتوں کی تعلیم نے بڑی ترقی کی ہے۔ نجلا کے مطابق مصر میں ۱۹۲۱۔۱۹۲۲ء میں حکومتی مدارس میں چوبیس ہزار تین سو چودہ طالبات زیر تعلیم تھیں جب کہ ۱۹۴۹۔۱۹۵۰ء میں سرکاری اور نجی مدارس میں زیر تعلیم لڑکیوں کی تعداد پانچ لاکھ ستائیس ہزار آٹھ تک پہنچ گئی۔ اعلیٰ تعلیم کے دروازے ۱۹۲۷ء تک عورتوں کے لیے بند تھے۔ لیکن ۱۹۵۶۔۱۹۵۷ء میں مصری جامعات میں سات ہزار دو سو بارہ طالبات زیر تعلیم تھیں۔ ۱۹۴۹۔۱۹۵۰ء میں عراق میں سرکاری سکولوں میں چوالیس ہزار تین سو اکہتر لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔(۲۳)

نجلا عزالدین نے بڑی تفصیل سے عورتوں کی انجمنوں، ان کے امدادی اور معاشرتی کردار پر بھی موزوں تبصرہ کیا ہے۔ انھوں نے خواتین کے طبابت، وکالت اور صحافت جیسے پیشوں میں شمولیت کا

بھی تذکرہ کیا ہے اور دست کاریوں کی بقا اور احیا میں ان کے کردار کو بھی سراہا ہے۔ عرب ممالک میں سے پہلی مرتبہ شام میں ۱۹۴۹ء کے موسم خزاں میں خواتین پولنگ سٹیشنوں پر ووٹ کا حق استعمال کرنے کے لیے گئیں۔ لبنان میں خواتین کو ۱۹۵۳ء میں حق رائے دہی ملا۔ مصر میں جو دستور ۱۹۵۶ء میں نافذ ہوا اس کی رو سے عورتوں کو حق رائے دہی حاصل ہو گیا۔ تیونس میں بھی پہلی مجلسِ دستور کے انتخابات کے موقع پر عورتوں کی آزادی اور حق رائے دہی کو شامل کر لیا گیا۔(۲۴)

نجلا عزالدین نے اسلامی قانون کے حوالے سے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ اس میں اگرچہ عورتوں کو ایسے حقوق اور رعایتیں دی ہیں جو زمانہ حال تک مغربی معاشرے میں نامعلوم ہیں تاہم مردوں کو ایک بالاتر مرتبہ دیا گیا ہے۔ وراثت کے تعلق سے مرد کی نسبت عورت نصف حصہ کی حق دار قرار دی گئی اور نکاح اور طلاق میں مرد کا پلہ ہی بھاری ہے۔ تاہم موجودہ حالات پر تنقید اور عورت کے لیے کامل مساوات کا مطالبہ عروج پر ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم (۱۸۹۶۔۱۹۵۹ء) نے اپنی تصنیف **فکر اقبال** میں علامہ اقبال (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء) کے ان خیالات کا خلاصہ پیش کیا ہے جن کا تعلق اسلامی شریعت کی موجودہ حالت اور جدید تقاضوں کی روشنی میں موزوں طرز عمل سے ہے۔ خلیفہ صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''اقبال اسلامی شریعت کی اساسی چیزوں کو لازوال حقائق سمجھتا ہے جو ہر دور میں تمام انسانوں کے لیے سرچشمہ حیات بن سکتی ہے۔ لیکن اس کے نزدیک فقہ کا تمام دفتر نظر ثانی کا محتاج ہے۔ زندگی کے سانچے بہت بدل گئے ہیں۔ فقہی مسائل میں سے بعض مسائل اب بھی دیگر اقوام کی شریعتوں اور قوانین سے افضل ہیں لیکن ایک حصہ ایسا بھی ہے جسے کچھ بدلتی ہوئی زندگی نے منسوخ کر دیا ہے۔ تشکیل فقہ جدید کا کام بہت ضروری ہے لیکن اس کے لیے ایسے مجتہدوں کی ضرورت ہے جو اسلامی شریعت کی روح سے بہ خوبی واقف ہونے کے ساتھ موجودہ تہذیب و تمدن، سیاست و معاشرت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔'' (۲۵)

نجلا عزالدین نے عرب ممالک میں خاندان کو بنیادی وحدت قرار دیا ہے اور زندگی کے مختلف مدارج میں خاندان میں خاتون کے مؤثر کردار کی تعریف کی ہے۔ اسی وحدت سے عرب عورت اپنی

اشاریہ 61

طاقت اور اہمیت اخذ کرتی ہے، اپنے ماحول سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ دوسروں کے لیے زندہ کردار کی مضبوطی اور قوت حاصل کرتی ہے۔ خاندانی اور طبقاتی زندگی کی وسیع ذمہ داریوں نے اسے وسیع معاشرتی اعمال کے لیے تربیت دی ہے۔ ایک جان دار اور پختہ تہذیب کے ورثے نے اس کو اس بڑھی ہوئی طاقت کے لیے تیار کیا ہے جو عظیم تر معلومات کے ساتھ آتی ہے۔ خواہ وہ ان پڑھ بھی ہو لیکن ہزاروں برس پرانی تہذیب کی روایات نے اسے ثقافت اور اچھی تربیت سے آراستہ کر دیا ہے۔(۲۶)

پاکستان کی معروف ادیبہ کشور ناہید نے اپنی کتاب **عورت زبان خلق سے زبانِ حال تک** میں عورت سے متعلق متعدد موضوعات پر منفرد تحقیقی مضامین جمع کیے ہیں۔ انھی میں سے ایک مضمون میں عورت اور جدید مسلم معاشرے کے تضادات کے حوالے سے مراکش سے تعلق رکھنے والی حقوق نسواں کی علم بردار فاطمہ مرنیسی (۱۹۴۰-۲۰۱۵ء) کی زبانی ایک فکر انگیز سوال پیش کرتے ہوئے لکھا:

> عورتیں پڑھی لکھی ہوں یا ناخواندہ، اب وہ اپنے مسائل کی تشخیص کر رہی ہیں اور انھیں سامنے بھی لا رہی ہیں۔ جن مسائل کو پہلے جذباتی کہہ دیا جاتا تھا آج عورتیں ثابت کر رہی ہیں کہ وہ خالصتاً سیاسی مسائل ہیں۔ آج عورت کا غصہ اس وجہ سے ہے کہ آخر مرد کو ہی یہ حق کیوں حاصل ہے کہ وہ جب جی چاہے اسے چھوڑ دے؟(۲۷)

عورت کے مقام اور آزادی کے مسئلے پر برصغیر پاک و ہند اور عرب ممالک کے ادبا، شعرا اور مذہبی اور سیاسی قیادت کی فکر اور مساعی میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا بل کہ ان میں مشترک قدریں بہ آسانی تلاش کی جاسکتی ہیں۔ خصوصاً عورت کی پسماندگی کا قصور وار معاشرے کی منافقت کو ٹھہرایا گیا ہے جب کہ اس کی پستی کا اہم سبب ظلم و تعدی، جہالت اور تعلیم سے دوری کو قرار دیا گیا ہے۔ تاہم ایک فریق سے اس اہم امر کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ فقہا کی آرا کی بنیاد پر عورت کو کم تر اور اس کے مقام، آزادی اور حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا بل کہ اسلام جنس کے حیاتیاتی اختلاف کی بنیاد پر عورت کے مرتبہ، عزت و حرمت کو گزند پہنچانے کا مخالف ہے۔

☆☆☆☆☆

## حوالے

(۱) ڈاکٹر نجلا ابو عزالدین ۱۹۰۸ء میں لبنان میں پیدا ہوئیں، ۱۹۳۰ء میں نیویارک سے تاریخ کے مضمون میں بیچلر ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں شکاگو یونیورسٹی امریکا سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والی پہلی عرب خاتون کا اعزاز حاصل کیا۔ "دروز" کی تاریخ کے متعلق پی ایچ ڈی مکمل کی۔ ۱۹۳۹ء میں وطن واپس آکر تدریسی و تنظیمی خدمات انجام دیں۔ واشنگٹن میں عرب لیگ کے علاقائی دفتر کی سربراہ بھی رہیں۔ ان کا انتقال ۲۰۰۸ء میں بیروت میں ہوا۔

(۲) نجلا عزالدین، عرب دنیا، مترجم ڈاکٹر محمود حسین، (لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۴ء)، ۳۳۹۔

(۳) عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ زمانہ جاہلیت سے موجودہ زمانے تک، (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷ء)، ۱۳۹۔۱۴۰۔

(۴) نجلا عزالدین، عرب دنیا، ۳۴۲۔۳۴۳۔

(۵) ایضاً، ۳۴۳۔۳۴۴۔

(۶) ایضاً، ۳۴۶۔

(7) Gul-i-Hina, Modern Trends and Varied Response: Reflections on Muslim Women in Urdu Prose by Male Authors of South Asia (1990-1936) South Asian Studies, Vol. 27, NO. 2, July-December, 2012, p. 468

(۸) تحریر المراۃ التمدن الإسلامی، مُحَمَّد عمارہ، ۱۹۸۵ء، دار الوحدۃ للطباعۃ والنشر، ۸۵۔

(۹) مقالات پروفیسر عبدالقیوم، مرتبین ڈاکٹر محمود عارف و میجر (ر) زبیر قیوم، (لاہور: المکتبہ السلفیہ، اکتوبر ۱۹۹۷ء)، ۳۹۲۔

(۱۰) نجلا عزالدین، حوالہ مذکورہ، ۳۹۷۔

(۱۱) ایضاً، ۳۲۷۔۳۲۸۔

(۱۲) سیمیں ثمر فضل، ہندوستانی مسلم خواتین کی جدید تعلیمی ترقی میں ابتدائی اردو ناولوں کا حصہ، (دہلی: اے ون فوٹو آفسٹ، ۱۹۹۱ء)، ۲۵۳۔

(۱۳) نجلا عزالدین، عرب دنیا، ۳۴۸۔

(۱۴) فضل الٰہی، مقالات، (جہلم: اعوان مطبوعات، ۱۹۹۸ء)، ۴۲۶۔

(۱۵) نجلا عزالدین، عرب دنیا، ۳۴۹۔

(۱۶) فضل الٰہی، مقالات، ۴۴۰۔۴۴۱۔

اثنا راحمہ 63

(17) Gul-i-Hina, Modern Trend and Varied Response, opcit, p. 470

(۱۸) ایضاً، ۴۷۱۔

(۱۹) سیمیں ثمر فضل، ۲۶۹۔۲۷۰۔

(۲۰) نجلاعزالدین، عرب دنیا، ۳۴۹۔

(۲۱) سیمیں ثمر فضل، ہندوستانی مسلم خواتین کی جدید تعلیمی ترقی میں ابتدائی اردو ناولوں کا حصہ، ۱۱۶۔۱۱۸۔

(۲۲) نجلاعزالدین، عرب دنیا، ۳۴۹۔۳۵۰۔

(۲۳) ایضاً، ۳۵۰۔۳۵۲۔

(۲۴) ایضاً، ۳۵۴۔

(۲۵) خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال، (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء)، ۱۶۹۔

(۲۶) نجلاعزالدین، عرب دنیا، ۳۵۶۔

(۲۷) کشور ناہید، عورت زبان خلق سے زبان حال تک، (لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء)، ۱۲۱۔



# BIBLIOGRAPHY


- Abdul Haleem Sharar, *‘Arabi Adab ki Tarīkh*, (Lahore: Maktaba Alya, 1987).
- Fazal Ilahi Malik, *Maqalāt*, (Jehlum: Awan Matbuat, 1998).
- Gul-e Hina, Modern Trends and Varied Response: Reflections on Muslim Women in Urdu Proseby Male Authors os South Asia(1990-1936) South Asian Studies, (v.27 July-December 2012).
- Kishwar Naheed, ‘*Aurat Zuban-e Khalq se Zubān-e Hāl Tak*, (Lahore: Sang-e Meel Publications, 2000).
- *Maqalāt* Professor Abdul Qayyom, (Comp.) Mahmood Arif & Zubair Qayyom, Lahore: Maktab Salfia, 1997
- Muhammad Ammar, *Tehrīr al Mar’a al-Tamuddun al-Islami*, (Egypt, 1985).
- Najla Izzudin, *‘Arab Dunya*, (Trans.) Mahmood Husain, (Lahore: Fiction House, 2014)
- Simein Samar Fazal, *Hindustāni Muslim Khavātīn ki Jadīd Ta’limi Taraqqi mein Ibtadai Urdū Naveloṉ ka Hissa*, (Dehli, India. 1991).


❖❖❖